تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ
لاہور

نِدائے خلافت

بانی : اقتدار احمد مرحوم
۱۷ تا ۲۳/ اگست ۲۰۰۰ء (۱۶ تا ۲۲ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ)
مدیر : حافظ عاکف سعید

استحکام پاکستان کی واحد بنیاد!

”.... اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لئے نہ ”تاریخی تقدس“ کا عامل موجود ہے نہ ہی ”جغرافیائی عوامل“ اس کے پشت پناہ ہیں‘ پھر کوئی نسلی‘ لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس کے استحکام کے لئے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے —— لٰہذا اس کے استحکام کا کل دارو مدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اسے جنم دیا تھا —— یعنی ”مذہبی جذبہ“!! گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ع ”کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو!“ والا ہے کہ اگر اسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خود مختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اُسی کا سہارا لے....“

”جو شخص بھی دل سے پاکستان کی بقا و استحکام چاہتا ہو وہ اس حقیقت کو جان لے گا کہ اگرچہ عوام کی فلاح و بہبود‘ انتظامی مشینری کی اصلاح و تطہیر اور مختلف علاقوں کے رہنے والوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا اعتماد و اطمینان بھی نہایت اہم امور ہیں اور ان کے بغیر بھی یقیناً پاکستان مستحکم نہیں ہو سکتا تاہم پاکستان کے دوام و استحکام کی اصل اساس یہ چیزیں نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلامی جذبہ ہے اور اگر وہ جلد از جلد بھرپور انداز میں بروئے کار نہ آیا تو باقی تمام چیزوں کی اصلاح کے باوجود پاکستان یا تو اپنی سالمیت ہی کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور اس کے حصے بخرے ہو جائیں گے یا اگر باقی رہے گا بھی تو کسی دوسری بڑی طاقت کا طفیلی یا زیردست ہو کر!...“

(ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ”استحکام پاکستان“ سے دو اقتباسات)

اس شمارے میں

☆ اداریہ 2
☆ امیر محترم کا خطابِ جمعہ 3
☆ عالم اسلام 5
☆ روداد تربیت گاہ (میاندم‘ سوات) 8
☆ کاروانِ خلافت منزل بہ منزل 10
☆ اسلام ‘ جمہوریت اور پاکستان 12
☆ متفرقات ✪

نائب مدیر :
فرقان دانش خان
معاونین :
☆ مرزا ایوب بیگ
☆ نعیم اختر عدنان
☆ سردار اعوان
نگران طباعت :
☆ شیخ رحیم الدین
پبلشر : محمد سعید اسعد
طابع : رشید احمد چوہدری
مطبع : مکتبہ جدید پریس ۔ ریلوے روڈ‘ لاہور
مقام اشاعت : 36 ۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور
فون : 3-5869501 فیکس : 5834000
سالانہ زرِ تعاون ۔/175 روپے

قیمت : 3 روپے
شمارہ : 32

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مرزا ایوب بیگ

مسئلہ کشمیر ___ بھارت نے پُرامن تصفیے کا بہترین موقع گنوا دیا

۲۴ جولائی کو حزب المجاہدین کی طرف سے یک طرفہ جنگ بندی کے اعلان سے جنوبی ایشیا میں امن قائم ہونے کی جو توقع بندھی تھی وہ دو ہفتے بعد ۸/اگست کو پانچ بجے سہ پہر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر سید صلاح الدین کے اس اعلان کے ساتھ ختم ہو گئی کہ بھارت کی ہٹ دھرمی پُرامن مذاکرت کے راستے میں حائل ہے' لہٰذا حزب المجاہدین جنگ بندی کو ختم کر کے دوبارہ میدان جنگ میں کود رہی ہے۔

سید صلاح الدین جو سری نگر کے نواح میں رہائش پذیر تھے اور جن کا اصلی نام سید یوسف شاہ ہے' وہ کشمیر یونیورسٹی سے ایم اے سیاسیات ہیں۔ لال چوک سری نگر کے حلقہ سے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی لیکن سرکاری اعلان کے مطابق انہیں ناکام قرار دے دیا گیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ بیلٹ کے راستے سے بھارت کبھی حقیقی کشمیری قیادت کو ابھرنے کا موقع نہیں دے گا۔ لہٰذا بیلٹ کو ترک کر کے انہوں نے بلٹ کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ گو وہ جلد ہی حزب المجاہدین کے سرپرست اور پھر سپریم کمانڈر بن گئے۔ سری نگر میں ان کے مکان کو بم مار کر اڑا دیا گیا۔ وہ حزب المجاہدین کی عملی مدد کے لئے پاکستان آئے۔ اس وقت حکومت پاکستان کے لئے وہ نووارد تھے لیکن جماعت اسلامی پاکستان نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور مالی امداد کے علاوہ افرادی قوت بھی مہیا کی۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی ان کی بھرپور مدد نہ کرتی تو حزب کے لئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا خاصا دشوار ہو جاتا۔ حزب المجاہدین نے وولر ڈیم کو تباہ کر کے بھارت کا نو ارب روپے کا نقصان کیا اور اس کی یہ سازش بری طرح ناکام بنا دی کہ وہ اس ڈیم کے ذریعے پنجاب کے وسیع علاقے کو بنجر بنا دے گا۔

مسئلہ کشمیر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور اعلان تاشقند کے بعد بھولی بسری شے بن گیا تھا۔ پاکستانی لیڈر بھی کبھی کبھار رسماً ہی اس کا ذکر کرتے تھے جبکہ بھارتی لیڈر مسئلہ کشمیر کے ذکر پر ہمیں ڈانٹ دیتے تھے' اسے بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہماری ایک خاتون وزیراعظم بھارتی وزیراعظم کے سامنے کشمیر کے ذکر پر جھینپ گئی تھی اور بھارتی وزیراعظم کی گزرگاہ سے کشمیر کے بورڈ ہٹا دیئے گئے تھے۔ بھارتی وزیراعظم نے ایک مرتبہ اس صحافی کو بری طرح جھاڑ دیا جس نے کشمیر پر سوال کیا کہ تم نے اس مسئلہ کا ذکر کیوں کیا ہے جو ہمیشہ کے لئے حل ہو چکا ہے؟۔ اس مردہ مسئلہ کو نئی زندگی دینے میں حزب المجاہدین نے جو مقبوضہ کشمیر کے باسیوں پر مشتمل ہے' مرکزی رول ادا کیا اور اب تک اس تحریک میں جو جانی قربانیاں دی گئیں ہیں ان میں حزب نے تین چوتھائی حصہ ڈالا ہے۔

حزب المجاہدین نے جب جنگ بندی کا اعلان کیا تو یہ ایک طرح کی مکمل جنگ بندی کا اعلان تھا۔ باقی تمام جہادی تنظیمیں پاکستان میں اپنی جڑیں رکھتی تھیں۔ ان جڑوں کو I.S.I سے پانی ملتا تھا اور یہ بات واضح تھی کہ جنگ بندی کو پاکستانی حکومت کی مکمل تائید حاصل تھی۔ پاکستانی حکومت کے بارے میں پہلے ہی کچھ عرصہ سے جہادی تنظیمیں شکایت کر رہی تھیں کہ پاکستانی حکومت اب تعاون نہیں کر رہی' لہٰذا باقی جہادی تنظیمیں چند دن سے زیادہ کارروائیاں نہیں کر سکتی تھیں۔

اس پس منظر میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ بھارت اگر دانش مندی سے کام لیتا اور مذاکرات میں سنجیدہ ہوتا تو جنوبی ایشیا تباہ کن جنگ سے بچ سکتا تھا لیکن بھارت کی ہر حکومت نے کشمیر کے معاملے میں منافقانہ اور ڈنگ ٹپاؤ انداز اختیار کیا اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی۔ ۱۹۴۸ء' ۱۹۶۲ء' ۱۹۶۵ء ہر موقع پر اس نے یہی رویہ اختیار کیا۔ بھارت نے مذاکرات کا جھانسہ ہمیشہ وقت گزاری کے لئے دیا اور بعد میں تو کون اور میں کون کا انداز اپنا لیا۔ اس مرتبہ خیال تھا کہ بھارت نے زمینی حقائق کا درست جائزہ لیا ہو گا اور وہ دیانت داری اور سنجیدگی سے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا تا کہ برصغیر کے ایک ارب بیس کروڑ انسانوں کے سروں سے جنگ کے بادل چھٹ سکیں اور دونوں حکومتیں اپنے وسائل اپنی عوام کی بہتری کے لئے استعمال کر سکیں۔ لیکن واجپائی حکومت نے اس جنگ بندی سے مجاہدین میں پھوٹ ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پھر واجپائی اور اس کے مشیروں اور وزیروں نے رنگ رنگ کی بولیاں بولنی شروع کر دیں۔ پہلے دن بھارتی وزیر اعظم نے سری نگر میں صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "آئین کو چھوڑو انسانیت کی بات کرو' ہم انسانی مسائل کے حل کے لئے آئین کو رکاوٹ نہیں بنائیں گے"۔ اگلے دن مشرا جو واجپائی کی ناک کے بال ہیں' فرمانے لگے کہ مذاکرات صرف آئین کے دائرے میں ہوں گے۔ سری نگر سے دہلی پہنچ کر واجپائی نے قلابازی کھائی اور بیان دے ڈالا کہ مذاکرات تو آئین سے باہر ہو سکتے ہیں لیکن بھارتی آئین کے اندر ہو گا۔ بھارتی حکومت کے موقف میں ایک بہت بڑا تضاد یہ ہے کہ وہ کشمیر میں ہونے والے ہر واقعہ کو پاکستان سے منسوب کرتا ہے لیکن مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے پاکستان کو بحیثیت فریق شامل کرنا اسے گوارا نہیں۔ اس طرح بھارت نے پندرہ دن ٹال مٹول کرنے اور سازشوں کا جال بچھانے میں گزار دیئے۔

شاید کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ حزب نے جنگ بندی ختم کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے' اسے بھارتی حکومت کو سوچ و بچار کیلئے مزید وقت دینا چاہئے تھا۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے تو مہینوں نہیں سال گزارے جا سکتے ہیں لیکن سفید جھنڈا بلند کر کے میدان جنگ میں ایک دن گزارنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ آپ کی طرف سے حملہ نہیں ہو گا لیکن آپ نہیں جانتے کہ دشمن کی طرف سے جان بوجھ کر یا غلط فہمی کے نتیجہ میں کب اچانک حملہ ہو جائے۔ خصوصاً موجودہ صورت حال میں جبکہ تمام تنظیموں کی طرف سے جنگ بندی کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ پھر یہ کہ دشمن کیلئے یہ سنہرا موقعہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کی صفوں میں انتشار پیدا کر سکے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے جا نہیں ہو گا کہ بھارت عبدالمجید ڈار اور ان کے حمایتی چند کمانڈروں اور سید صلاح الدین کے درمیان اختلافات پیدا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے۔ اصولاً تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ جنگ بندی کا اعلان کرنے اور جنگ بندی ختم کرنے کے دونوں اعلانات سپریم کمانڈر صلاح الدین کرتے یا عبدالمجید ڈار نے اگر جنگ بندی کا اعلان کیا تھا تو وہی جنگ بندی ختم کرنے کا اعلان بھی کرتے۔ عبدالمجید ڈار ابھی تک جنگ بندی ختم کرنے کے اعلان پر خاموش ہیں۔ اگر جنگ بندی طول اختیار کرتی تو اختلافات کا دائرہ مزید وسیع ہو سکتا تھا۔ بھارت اگر کشمیر کے معاملے میں کوئی لچک پیدا کرنا چاہتا تو اسے اس کے لئے معقول وقت دیا گیا تھا۔

بھارت چاہتا ہے کہ کسی طرح تحریک میں کمزوری اور ضعف کے آثار نظر آئیں اور وہ پھر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹوٹ انگ کی رٹ لگائے۔ وہ اپنی اس روش کو کسی طرح بدلنے کے لئے تیار نہیں کہ جب کشمیر کا مسئلہ نازک صورت حال اختیار

(باقی صفحہ ۹ پر)

نظریہ پاکستان کی وضاحت کے لئے ہمیں مفکر و مصور پاکستان علامہ اقبال کی جانب رجوع کرنا ہو گا

علامہ اقبال کو قائداعظم نے اپنے لئے ایک عظیم مفکر رہنما، سرچشمۂ فکر و عمل اور روحانی سہارا قرار دیا

تاریخ کو مسخ کرنا بھی ایک نوع کا ظلم ہے جبکہ کچھ دانشور تحریک و تاریخ پاکستان کے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں

متعدد مواقع پر قائداعظم نے فرمایا کہ "اسلام محض ایک مذہب نہیں، مکمل ضابطہ حیات ہے!"

ایک برطانوی دانشور نے کہا: "قائداعظم اسلام کی ایسی تلوار ہیں جو سیکولر نیام میں رکھی ہوئی ہے"

قائداعظم نے مغربی جمہوریت اور مغرب کے معاشی نظام کو کئی مواقع پر رد کیا ہے

علامہ اقبال اور قائداعظم کا تصور پاکستان

مسجد دارالسلام باغِ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۱/ اگست ۲۰۰۰ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(مرتب: فرقان دانش خان)

اچھے خاصے پڑھے لکھے بلکہ بہت سے دینی مزاج کے حامل لوگ بھی سیکولر دانشوروں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر نظر آتے ہیں کہ قائداعظم یا مسلم لیگ پاکستان میں اسلامی نظام کے خواہاں نہ تھے بلکہ وہ اسے ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مغالطوں کو رفع کیا جائے۔ یقیناً ہمارے لئے بنیادی دلیل یہی ہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں انفرادی سطح پر بھی اسلام کی پیروی کرنی چاہئے اور اجتماعی سطح پر بھی اسلام ہی کو ہمارا دستور ہونا چاہئے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جب کوئی بندۂ مومن ایسی جگہ رہ رہا ہو جہاں کفر اور طاغوت کا غلبہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ طاغوت کے غلبہ کو ختم کر کے اسلام کو غالب کرنے کی جدوجہد کرے۔ تاہم ریکارڈ کو درست کرنا اور رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ تاریخی حقائق کو مسخ کرنا بھی ایک نوع کا ظلم ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تحریک پاکستان ایک زبردست عوامی تحریک تھی۔ کسی ایک فرد یا دو افراد نے پاکستان قائم نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کچھ افراد کو ایسی صلاحیت عطا فرماتے ہیں کہ وہ تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں، اگرچہ اس کے لئے انہیں اعوان و انصار اور ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اقبال نے ان دو متضاد باتوں کو اپنے دو اشعار میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

یعنی افراد کی انفرادی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اصل فیصلہ کن شے ملت کا ربط اور نظم ہے۔ لیکن دوسری طرف اقبال نے یہ بھی کہا ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

واقعتاً کچھ عظیم شخصیات ملت کی تقدیر اور معاشرے کا رنگ بدل دیتی ہیں۔ یعنی عظیم شخصیات کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو پاکستان کا قیام جہاں ایک طرف زبردست عوامی تحریک کے نتیجے میں عمل میں آیا وہاں دو عظیم شخصیات اس تحریک میں انتہائی فیصلہ کن کردار کی حامل ہیں۔ ایک علامہ اقبال اور دوسرے قائداعظم۔

ان دونوں شخصیات کے نظریات اور قیام پاکستان میں ان کے کردار کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں شخصیات کا ایک تقابلی مطالعہ سامنے رکھا جائے۔ دونوں حضرات ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے۔ ان دونوں میں دوسری قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مسلم لیگ کے بانی اراکین میں سے نہیں تھا۔ دونوں حضرات نے اپنی زندگی کا ایک مختصر سا عرصہ ہندوستانی قومیت کے علمبردار کی حیثیت سے گزارا۔ اقبال جب ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء میں یورپ میں رہے تو وہاں ان کی زندگی میں ایک مکمل انقلاب برپا ہو گیا۔ اس کی وجہ خود اقبال نے بیان کی ہے کہ ؏

"مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے"

ہوتا دراصل یہ ہے کہ جن لوگوں کے بنیادی خاندانی پس منظر یا ابتدائی تعلیم و تربیت میں دین کا عنصر شامل ہوتا ہے، ایسا شخص جب کسی مخالفانہ ماحول میں جاتا ہے تو اس کے اندر پہلے سے موجود دینی اثرات بھڑک اٹھتے ہیں۔ علامہ اقبال کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ گویا کہ اقبال ان تین سالوں میں ایک پختہ مسلم، پکے مومن، مسلمانوں کے ہمدرد، وحدت ملی کے ترجمان اور اسلام کے احیاء کے نقیب بن کر ابھرے ہیں۔

قائداعظم کا معاملہ بھی یہ رہا کہ وہ ابتدا میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ پھر انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ ہندو مسلم اختلافات کا خاتمہ ہو، تاکہ دونوں مل کر یہاں سے انگریز کو نکال باہر کریں۔ چنانچہ قائداعظم کی ہندو مسلم اتحاد کی انہی کوششوں کے باعث ہندو لیڈر گوکھلے نے انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" قرار دیا تھا۔ لیکن ہندوؤں نے ہر موقع پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کے کسی بھی حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر

قائداعظم انتہائی مایوس ہو کر ۱۹۲۹ء میں انگلستان چلے گئے۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک لندن میں تین گول میز کانفرنسوں کا انعقاد کیا تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندے ایک جگہ جمع ہوں۔ اگرچہ تینوں کانفرنسیں ناکام ہوئیں لیکن دوسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۱ء) کے موقع پر علامہ اقبال مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے جب لندن گئے تو وہاں قائداعظم سے ان کی تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ علامہ اقبال نے قائداعظم کو مسلمانان ہند کے سیاسی قائد کی حیثیت سے پہچانا اور قائداعظم نے اقبال کے بارے میں یہ رائے قائم کی کہ ایک مسلم مفکر اور اسلام کے داعی اور نقیب ہونے کی حیثیت سے اصل مقام علامہ اقبال کا ہے۔ علامہ اقبال ہی کے اصرار پر قائداعظم ۱۹۳۴ء میں دوبارہ ہندوستان واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ یہ وہ وقت تھا جب قائداعظم نے اقبال کے زیر اثر مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ اس اعتبار سے ہمیں پاکستان کی نظریاتی اساس کے تعین کے لئے ان دونوں شخصیات کے افکار کا جائزہ لینا ہو گا۔

علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر ایک بہت اہم خطبہ دیا تھا جسے تحریک پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس خطبہ میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کا ایک علیحدہ قوم ہونا فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا۔ ثانیاً انہوں نے اس خطاب میں پاکستان کی بشارت دیتے ہوئے کہا "میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہو گی"۔ اسی خطبہ میں یہ مطالبہ بھی تھا کہ "میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم مسلم ریاست قائم کی جائے" ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ "اگر ایسا ہو گیا (یعنی مسلم ریاست قائم ہو گئی) تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب امپیریلزم کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ رونما ہو گئے ہیں ان کو ہٹا کر اصل اسلام کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں"۔ یہ تھا نظریہ پاکستان جو اقبال نے اپنے اشعار اور خطبات میں پیش کیا۔

اب آیئے قائداعظم کے بیانات کی طرف جو انہوں نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء کے دوران مختلف مواقع پر دیئے۔ لیکن اس سے پہلے یہ جان لیجئے کہ قائداعظم ایک باکردار سیاستدان تھے۔ جو ان کے دل میں ہوتا تھا وہی ان کی زبان پر ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ بات بھی درست ہے کہ اقبال کی طرح ان کا بنیادی خاندانی پس منظر اسلامی نہ تھا لیکن ان کے بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ دینی فکر اور نظریات انہوں نے اقبال سے مستعار لئے۔ گویا قائداعظم اگر پاکستان کے بانی، معمار اور موسس ہیں تو اقبال کو مصور، مفکر اور مبشر پاکستان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لحاظ سے نظریہ پاکستان کے اصل ماخذ اقبال ہی ہیں۔ بہرکیف ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قائداعظم کے بیانات و خطابات کا مطالعہ کیا جائے تو ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے جو آج کل کچھ نام نہاد کالم نگار اور دانشور نظریۂ پاکستان کے ضمن میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے قائداعظم کے ان خیالات پر ایک نظر ڈال لیجئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کی نظر میں اقبال کا کیا مقام تھا۔ علامہ اقبال کی وفات کے موقع پر اگلے دن ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء کو سٹار آف انڈیا میں قائداعظم کا تعزیتی بیان شائع ہوا۔ فرماتے ہیں: "علامہ اقبال کی افسوسناک رحلت نے پورے عالم اسلام کو یاس، ناامیدی اور ماتم کی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ علامہ اقبال عظیم شاعر، فلسفی اور مستقبل بین تھے۔ میرے لئے وہ ایک ذاتی دوست، مفکر رہنما، سرچشمہ فکر و عمل اور روحانی سہارا تھے"۔

قرار داد پاکستان کی منظوری کے اگلے ہی ماہ اپریل ۱۹۴۰ء میں یوم اقبال کے موقع پر قائداعظم نے فرمایا: "اگر میں زندہ رہا اور میری زندگی میں ایک مسلمان ریاست قائم ہو گئی اور مجھے اختیار دیا جائے کہ اس ریاست کی سربراہی اور اقبال کی کتب میں سے کسی ایک کو اپنے لئے پسند کر لوں تو میں اقبال کی تصانیف کو ترجیح دوں گا"۔

اس سلسلے میں یہ اقتباس بھی بہت اہم ہے۔ قائداعظم فرماتے ہیں "اپریل ۱۹۳۶ء میں جب مجھے مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانے کا خیال آیا تو اس وقت سے اپنی زندگی کے آخری دن تک علامہ اقبال ایک چٹان کی طرح میرے ساتھ کھڑے رہے"۔

آیئے اب قائداعظم کے ان افکار و خیالات پر نظر ڈالئے جن میں انہوں نے اسلام اور پاکستان کے حوالے سے جابجا اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کیا ہے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء، ۱۱ ستمبر ۱۹۴۵ء اور ۱۱ جنوری ۱۹۴۴ء کے اپنے بیانات میں قائداعظم نے فرمایا کہ "اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں ہے بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے"۔ ایک مقام پر فرمایا کہ "اسلام انسان کے صبح بیدار ہونے سے رات کو دوبارہ سو جانے تک زندگی کے تمام (انفرادی و اجتماعی) معاملات کے لئے ہدایت و رہنمائی فراہم کرتا ہے"۔ ۶ جون ۱۹۳۸ء کے ایک بیان میں قائداعظم نے کہا کہ "مسلم لیگ کا جھنڈا ہمارا نہیں ہے بلکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ہے جو بدقسمتی سے زمین پر گر گیا تھا، آج مسلم لیگ نے پھر اٹھا لیا"۔ ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء کا ایک بیان ہے کہ "اسلام کا قانون سب سے زیادہ متوازن، دنیا کے تمام قوانین سے زیادہ عدل پسند اور سب سے زیادہ پروگریسو (ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ) قانون ہے"۔

عالمی ملت اسلامیہ کے بارے میں ۱۹ اپریل ۱۹۳۹ء کو قائد نے فرمایا: "درحقیقت پوری امت مسلمہ کو جو اسلام کی اولاد ہے، سرحدی لکیریں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتیں"۔

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا: "میں مسلمان پیدا ہوا، میں ایک مسلمان ہوں اور ایک مسلمان ہی کی حیثیت سے مروں گا"۔

ایک بار ہندوؤں نے کہا کہ یہ مسلمان اپنے مذہب کو سیاست میں داخل کر کے گویا جرم کر رہے ہیں تو فرمایا کہ "ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہماری سیاست ہمارے دین کے تابع ہے"۔

ٹائمز آف انڈیا سے مارچ ۱۹۴۰ء میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا: "ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی قدر مشترک نہیں، یہ دونوں جداجدا قومیں ہیں"۔

قائداعظم نے ایک موقع پر یہ بھی کہا تھا: "اگر پاکستان نہ بنا تو ہندوستان کی پوری سرزمین سے اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا"۔

نیویارک ٹائمز کے ایک نمائندے نے ایک بار قائد اعظم سے پوچھا کہ عربوں (فلسطین) کے معاملے میں آپ کا کیا طرز عمل ہو گا۔ فرمایا کہ "ہم عربوں کی ہر ممکن مدد و حمایت کریں گے اور اس معاملے میں ہم کسی بھی انتہا تک جا سکتے ہیں۔ یعنی اگر ہمیں عربوں کی حمایت کے لئے تشدد اور طاقت کا استعمال کرنا پڑا تو اس سے بھی گریز نہ کریں گے"۔

۲۹ مارچ ۴۴ء کو ایک لبرل سکھ آتما سنگھ نے قائد اعظم سے لاہور میں پوچھا کہ آپ علیحدہ علیحدہ قوموں کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ آپ انہیں آپس میں جوڑیں۔ قائداعظم نے اسے جواب دیا تھا "اقلیتوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اسلام نے ہمیں اقلیتوں سے عدل ہی کا نہیں احسان کا سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے"۔

یہی بات قائداعظم نے ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر میں کہی تھی۔ جسے جسٹس منیر، کاؤس جی اور ان کے ہمنوا مفکرین توڑ موڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ قائداعظم نے اس تقریر میں درحقیقت یہی بات کہی تھی کہ "سب کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق مندروں، گرجوں یا مساجد میں جانے کی پوری آزادی ہو گی"۔ اس میں آپ نے یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ "کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ سیاسی لحاظ سے ایک قوم کی حیثیت سے وجود میں آجائیں گے"۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس جملے میں کسی قدر سیکولرازم کی بو ہے۔ لیکن اگر اس جملے کو بنیاد بنا کر ان کے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

پاکستان اور افغانستان ـــــ دونوں کی منزل ایک!

تحریر : اے عبداللہ۔ کے حسن

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

ہمارے قارئین اس امر سے یقینی طور پر آگاہ ہوں گے کہ امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد افغانستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کے بارے میں اُس وقت بھی پُرامید تھے جب روس کے نکل جانے کے بعد اپنوں کی غلطیوں اور غیروں کی سازشوں کے باعث مجاہدین کے مختلف گروپ باہم دست و گریبان تھے اور وہاں بدترین بدامنی اور خانہ جنگی کا سماں تھا۔ بعد میں طالبان کے اچانک ظہور اور بہت ہی کم عرصے میں ان کی غیر معمولی کامیابیوں نے اُمید کے اس دیئے میں روغن تازہ کا کام دیا۔ مختلف ذرائع سے اس خوش آئند خبر کی توثیق کے بعد کہ طالبان نے نہ صرف افغانستان کے نوے فیصد علاقے پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا ہے اور وہاں مقامی لوگوں سے تمام اسلحہ واپس لے کر مکمل امن و امان بھی قائم کر دیا ہے' بلکہ ملک میں نفاذ شریعت اور اللہ کی حکمرانی کے قیام کا اعلان بھی کیا ہے' امیر تنظیم اسلامی نے حکومت پاکستان سے پرزور مطالبہ کیا کہ طالبان حکومت کو اخلاقی تقویت پہنچانے کی خاطر اسے نہ صرف بلا تاخیر تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے بلکہ پاکستان اور افغانستان کے دو طرفہ تعلقات کو مزید مستحکم کرنے کی خاطر پاک افغان کنفیڈریشن کے قیام کی جانب پیش قدمی کی جائے۔ تاکہ پاکستان اور افغانستان مل کر نہ صرف یہ کہ بھارتی جارحیت کا منہ توڑ جواب دے سکیں بلکہ نیو ورلڈ آرڈر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ البتہ اس مقصد کے حصول اور اسے دیرپا بنانے کے لئے امیر تنظیم اسلامی یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں بھی جلد از جلد ایک جدید اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کے قیام کی جانب پیش رفت ہو (جس کے نقطہ آغاز کے طور پر پاکستان کے دستور میں محض چند جزوی لیکن بنیادی نوعیت کی ترامیم درکار ہیں) اس لئے کہ افغانستان میں شریعت کے نفاذ کے بعد صرف اسلام ہی دونوں ممالک کو متحد اور یکجا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ نیز پاکستان کے اپنے مفاد میں بھی یہی ہے کہ یہاں اسلام کا عادلانہ نظام قائم ہو کہ پاکستان کے استحکام ہی نہیں بقا کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

ذیل میں ہم "متفق گردید رائے بر علی بارائے من" کے مصداق روزنامہ ڈان (۱۰/اگست) میں "*Pakistan and Afghanistan — Can they build a Common Destiny*" کے عنوان سے شائع ہونے والے ایک اہم مضمون کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں جس میں تاریخی حوالے سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پاکستان اور افغانستان کے ادغام کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک مغربی مصنف کے حوالے سے ایک دلچسپ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ان دونوں کا ایک ملک ہونا فطری ہے لہٰذا زیادہ عرصہ یہ الگ رہ ہی نہیں سکتے۔ (مدیر)

افغانستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں قدرے ماضی کی طرف لوٹنا ہوگا۔ لگ بھگ بیس سال قبل روسیوں اور کمیونسٹوں کے خلاف جہاد اور اب طالبان حکومت کے دوران پاکستان اور افغانستان کے درمیان خاصے قریبی تعلقات پیدا ہوئے ہیں لیکن اس سے قبل آپ کو معلوم ہے اکثر افغانی پاکستان کے بارے میں کوئی زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے اس کی ایک خاص وجہ تھی' وہ یہ کہ پشتونوں کی آبادی پر مشتمل جو علاقہ پاکستان میں شامل ہوا تھا' پہلے وہاں سکھوں کی حکومت تھی اور انہوں نے اس علاقے میں رہنے والے مسلمانوں پر نہایت وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے' سکھوں کے بعد انگریز آئے تو انہوں نے بھی کم و بیش وہی رویہ برقرار رکھا اور سارا عرصہ پشتونوں کے خلاف فوجی مہمات بھیجتے رہے جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ جنگ کی آماجگاہ بنا رہا اور یہاں کے عوام اس تمام عرصے میں جو تقریباً ۱۳۰ سال (۱۸۱۸ء۔۱۹۴۷ء) پر محیط ہے مسائل و مشکلات سے دوچار رہے' چنانچہ کابل کے حکمرانوں کی اس علاقے سے دلچسپی اور اسے واپس لینے کی کوشش کی ایک وجہ پشتونوں کی یہ بدحالی بھی تھی لیکن ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء سے حالات نے بالکل ایک نیا رخ اختیار کیا اور پورا نقشہ تبدیل ہو گیا۔ اب پشتون' خواہ وہ آباد علاقے میں رہتے ہوں یا قبائلی علاقے میں' ان کے ساتھ کسی قسم کے امتیازی سلوک یا انہیں دبانے کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ وہ ایک آزاد ملک کے شہری ہیں اور انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو پاکستان کے دوسرے صوبوں کے رہنے والوں کو حاصل ہیں۔ آج پشتون ملک کے اعلیٰ ترین سول اور فوجی عہدوں پر تعینات ہیں۔

اب آیئے ذرا پیچھے کی طرف چلتے ہیں۔ برعظیم میں محمود غزنوی کی آمد' یعنی سن ۱۰۰۰ء سے لے کر اب تک' لگ بھگ ایک ہزار سال سے چترال تا چٹاگانگ اور کوہ ہمالیہ سے کیپ کمورین (Cape Commorin) ہر جگہ آپ کو پشتون نظر آئے گا۔ برعظیم پاک و ہند کا شاید ہی ایسا کوئی شہر یا قصبہ ہو گا جہاں مسلمان بستے ہوں اور ان میں پشتون مولوی نہ ہو اور اپنے پڑوس والوں سے اس نے رشتے ناطے قائم نہ کر رکھے ہوں۔ افغانستان کا جہاں تک تعلق ہے' امیر دوست محمد' شیر علی' عبدالرحمٰن اور امان اللہ کی اس علاقے سے دلچسپی کی ایک وجہ یہاں پشتونوں کا ہونا بھی تھی۔

اب چند باتیں ان دو برادر ممالک کے ادغام سے متعلق۔ یہ بات کہ افغانستان کو پاکستان کے ایک خودمختار صوبہ کی حیثیت سے پاکستان میں مدغم ہونا چاہئے' کوئی انوکھی یا ناقابل عمل بات نہیں ہے۔ لفظ "پاکستان" میں "الف" یا "اے" کا حرف افغانستان ہی کے لئے ہے اور جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال دونوں شمال مغربی برطانوی ہند اور افغانستان کو ملا کر ایک مسلم ریاست کے قیام کی نوید دیتے رہے ہیں۔ اس طرح کی مسلم ریاست کے بالفعل قیام سے نہ صرف یہاں کے عوام کو ترقی کے لئے وافر مواقع میسر آئیں گے بلکہ اس سے پورے عالم اسلام کو تقویت حاصل ہو گی' جبکہ اس میں کسی قسم کا بھی کوئی قابل اعتراض یا غلط پہلو نہیں ہے۔ دریائے سندھ سے آکسس اور دریر سے ہرات تک آباد پشتونوں کی طاقت جمع ہو کر پاکستان اور خود پشتونوں کے لئے ایک متوازن قیادت فراہم کرنے کا موجب ہو گی۔ اس وقت کے عالمی رجحانات بھی زیادہ سے زیادہ ادغام اور وسائل کی جمع آوری کی جانب راہنمائی کرتے ہیں چنانچہ افغانوں کے لئے بھی یہ موقع ہے کہ مسلم اتحاد کی خاطر اس تجویز پر خصوصی سوچ بچار کریں۔ عوام کی سطح پر پاکستان اور افغانستان میں مذہب' تہذیب' نسل' تاریخ' جغرافیہ وغیرہ ہر لحاظ سے ایک اشتراک اور تعلق موجود ہے جسے عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک ممتاز مغربی دانشور W.K Frager Tytler کی کتاب

"Afghanistan : A study of Political developments in Central and South Asia"

سے ایک اقتباس قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا' وہ لکھتے ہیں :

"اس پیچیدہ صورتحال کا یہ پہلو واقعتاً حیرت کا باعث ہے کہ مسلح' اکھڑ' پر ہیبت "آزاد" قبائل کا یہ مجموعہ جو شمال' جنوبی ایشیا کے سیاسی وجود کا جزو لازم ہے' کسی بھی وقت ان ممالک کی معیشت کو درہم برہم کرنے کی طاقت سے بہرہ ور ہے جن ممالک میں ان کی بود و باش ہے' جو شمال جنوب ایشیا کے استحکام اور وسط ایشیا کے امن کے لئے خطرے کا باعث ہے لہٰذا اس کا حل یہ ہے کہ پاکستان اور افغانستان آپس میں کسی نہ کسی طرح کا قریبی تعلق قائم کریں۔ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ممالک کا ذہنی اور سیاسی پس منظر ایک جیسا نہیں ہے اس لئے ایسا کوئی الحاق ممکن نہیں ہو گا' ممکن ہے ان کی یہ بات درست ہو لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسا ہو گا' پر امن طور سے نہ ہوا تو طاقت سے ہو گا"۔

اس ضمن میں اب تک جو عرض کیا گیا ہے اس کی رو سے پاک' افغان تعلقات دو ہی طرح کے ممکن ہیں' ایک یہ کہ ڈیورنڈ لائن موجود رہے پشتون عوام کا دونوں ملکوں میں عمل دخل رہے' پختونستان کا مسئلہ پس پشت چلا جائے اور حکومتی سطح پر دونوں ممالک میں دوستانہ مراسم جاری رہیں' دوسرا حل جو زیادہ موزوں اور مناسب ہے یہ ہے کہ پاکستان اور افغانستان کا ادغام ہو۔ برطانوی ہند کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست (پاکستان) کے قیام کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوکش یا آکسس تک کا سارا علاقہ اس میں شامل ہو۔ اس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں' بلکہ ان سے بھی پہلے یہی قدرتی سرحدیں رہی ہیں۔ چنانچہ یہ حل نہایت فطری' سادہ اور نفع بخش ہے جس سے دونوں ملکوں کو فائدہ پہنچے گا' دونوں مضبوط ہوں گے اور اس سے بالکل ایک نیا منظر جنم لے گا' افغانستان کی موجودہ سرحدیں آکسس تک پھیلی ہوئی ہیں جو ایک روشن مستقبل کی علامت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسے تاریخی' تہذیبی اور اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں اور محدود مغربی وطنیت کے تصور کو آڑے نہ آنے دیں۔ یہ طے ہے کہ ایک نہ ایک دن' کہیں نہ کہیں موجودہ لسانی اور نسلی تعصبات کا خاتمہ اور مسلم قومیت کا عالمگیر' اخوت پر مبنی تصور ہمیں دنیا کو دکھانا ہے مگر اس کے لئے سندھ اور آکسس کے درمیان واقع ہی خطے اور اکیسویں صدی سے بہتر وقت شاید ہی میسر ہو گا۔ ایک بار پھر وہ تاریخی مناظر ذہنوں میں تازہ کریں۔ کشن' غزنوی' ابدالی اس پورے علاقے پر حکمران تھے۔ کبھی دار الخلافہ پشاور ہوتا تھا' کبھی ٹیکسلا' غزنہ یا قندھار۔ آج جو علاقے افغانستان میں شامل ہیں ان کی پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے سیاسی اور معاشی اہمیت ہے۔ یہیں سے وہ تحریکیں اٹھی ہیں اور وہ حکمران پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس علاقے پر مسلمانوں کی حکومتیں قائم کی ہیں جو اب پاکستان پر مشتمل ہے اور بعد میں اسے پورے برعظیم تک وسیع کیا ہے۔

محمود غزنوی اگرچہ ترک تھا' غزنہ' افغانستان میں پرورش پائی اور افغان سپاہیوں کے ساتھ شمالی ہند کے شہروں کو فتح کیا اور اس علاقے پر جو پاکستان میں شامل ہے' مسلمانوں کا راج قائم کیا۔ غوری جو اصلاً ترک' فارسی نسل تھا' افغانستان میں غور کے مقام پر پروان چڑھا اور افغان سپاہیوں کی مدد سے پورے شمالی ہندوستان پر اپنی

مشرق وسطیٰ جنگ کے دہانے پر؟

فلسطینی راہنماؤں نے اسرائیل کو خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یروشلم میں قبہ صخرہ پر ہیکل کی تعمیر شروع کرنے سے مشرق وسطیٰ میں جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ انہوں نے یہ بات چیف ربیوں کی کونسل کے اس اعلان کے بعد کی جس میں بتایا گیا تھا کہ قبہ صخرہ پر حقوق اور بالادستی کے حصول کیلئے ایک کمیٹی مقرر کرنے کا فیصلہ غالباً اس نازک مسئلے پر مسلمانوں کے ساتھ تصادم سے بچنے کی ایک کوشش ہے۔ یہودیوں کا کہنا ہے کہ بائبل کے دور میں اس جگہ پر جو ہیکل کے اندر واقع پرانے یروشلم میں ہے ان کے سب سے مقدس جگہ ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ جگہ جہاں قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ واقع ہے' حرم شریف ہے چنانچہ یروشلم کے مفتی عکرمہ صابری کے بقول پہاڑی پر ہیکل تعمیر کرنے کی کوشش جنگ کا باعث بن سکتی ہے "اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اس جنگ کا انجام کیا ہو گا"۔

شیخ محمد حسین نے جو "حرم شریف" کے سب سے پرانے منتظم ہیں اسرائیل سے اپیل کی کہ وہ جنگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔ انہوں نے کہا یہ سیاست نہیں' مذہب کا معاملہ ہے لہٰذا اگر خدانخواستہ اس طرح کا کوئی واقعہ ہوا تو مقدس مقامات کے تحفظ کی خاطر لاکھوں مسلمان اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔

ہیکل تعمیر کرنے کی تجویز حیفہ کے چیف ربی Shaar Yeshuv Hacohen کی جانب سے پیش کی گئی تھی' حالانکہ کئی اہم ربی یہ سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو قبۃ الصخرہ کے تقدس کے پیش نظر اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ حیفہ کے چیف ربی یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں کہ اس مسئلے کو فلسطینیوں کے ساتھ امن معاہدہ طے پا جانے کے بعد اٹھایا جائے' ان کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ پر پہلے بات ہونی چاہئے کیونکہ پہاڑی کا معبد یہودیوں کا مقدس ترین مقام ہے جس کی طرف منہ کر کے ہم عبادت کرتے ہیں اس لئے اسے دوسرے کسی مذہب کے ماننے والوں کے حوالے کرنا جائز نہیں۔

اسرائیلی پولیس نے پہاڑی کے معبد پر دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے چار سرگرم یہودیوں کو اس وقت گرفتار کر لیا جب فلسطینیوں نے اطلاع دی کہ انہوں نے وہاں ایک یہودی کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا ہے موقع پر موجود ایک مسلمان اہلکار نے ایک یہودی پر حملہ بھی کیا۔

یہودی آبادکاروں کے نمائندہ ربیوں نے مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیلی حکومت کو مغربی کنارے کی مزید کوئی زمین دینے سے روکنے کیلئے ایک قرارداد منظور کی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ بائبل کی رو سے اللہ نے یہ سرزمین صرف یہودیوں کیلئے مخصوص کی ہے لہٰذا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ٹکڑے بانٹتی پھرے۔

اسرائیل کے چیف ربیوں کی کونسل کا کہنا ہے کہ اس مسئلے پر مغربی کنارے پر واقع ایک نئی بستی Bet El میں بحث کی جائے گی مگر اس کے لئے ابھی انہوں نے کوئی تاریخ مقرر نہیں کی۔

(مرسلہ : شاہد اقبال)

حکومت قائم کی۔ اسی طرح علاؤ الدین خلجی بھی افغان تھا جس نے پہلی مرتبہ جنوبی ہند پر کیپ کمورین تک مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ ظہیرالدین' اگرچہ برلاس ترک تھا مگر افغانستان کا ایک علاقہ فتح کر کے بیس برس کابل میں مقیم رہا اور یہاں سے تیاری کر کے برعظیم پر حملہ آور ہوا اور وہاں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

لودھی اور سوری خاندانوں کا تعلق بھی افغانستان سے تھا جنہوں نے زرعی اصلاحات کر کے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد مضبوط کی۔ گویا صرف افغان حکمران ہی نہیں غزنوی' غوری' خلجی' لودھی' سوری اور مغل بھی جنہوں نے برعظیم پر حکومت کی' افغانستان سے ہی چل کر وہاں گئے اور آخری بات' جب مرہٹوں اور سکھوں کے ہاتھوں مغل پسپائی اختیار کر رہے تھے تو ایک افغان' احمد شاہ ابدالی ہی ان کی مدد کو آئے جس سے مغلوں کو قدرے سانس لینے کا موقع ملا تاہم ان کی اپنی طاقت چونکہ کمزور پڑ چکی تھی اس لئے مدد کے باوجود دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکے' ابدالی ایک معاملہ فہم اور سمجھدار لیڈر تھا اور اسے اندازہ تھا کہ کتنی بڑی مسلمان مخالف قوتیں جنم لے رہی ہیں لہٰذا اس نے اپنی طاقت کو دیکھتے ہوئے افغانستان کے نام سے شمال مغربی علاقہ پر اپنے قدم مضبوط کرنے پر اکتفا کیا۔ پاکستان ابدالی کی اس سلطنت کی صرف ایک توسیع ہے۔ پنجاب سندھ' بلوچستان اور کشمیر ابدالی اور ان کے جانشینوں کی حکومت میں شامل تھے۔ اس تاریخی پس منظر میں پاکستان اور افغانستان زیادہ عرصہ ایک دوسرے سے الگ نہیں رہ سکتے۔ خاص کر اس لئے کہ وہی طاقتیں جو اٹھارویں صدی عیسوی میں ابدالی کے مقابل تھیں آج پھر اس خطے کا امن تہ و بالا کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ (بشکریہ "ڈان" ۱۰/ اگست)

ضرورت رشتہ

عمر ۳۵ سال' تعلیم کیمیکل انجینئرنگ' ایم بی اے' پیشہ کاروبار' اردو سپیکنگ مغل برادری سے تعلق' سرگودھا کے رہائشی مرد کے لئے صوم و صلوٰۃ کی پابند' تعلیم یافتہ لڑکی کا مناسب رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

رابطہ : عبدالخالق فون : 0451-713302

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

آئینہ

ڈش کلچر ـــــ کیبل ٹی وی نیٹ ورک

تحریر : نعیم اختر عدنان

"بندہ مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا رہتا ہے۔" یہ حد درجہ جامع الفاظ اس مقدس ہستی ﷺ کے ہیں جنہیں ان کے دشمن اور مخالفین بھی "صادق اور امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپؐ نے بندہ مومن کو کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے سے تشبیہ دے کر اسلام کے پیروکاروں کا دائرہ کار معین کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ ضابطوں کا پابند ہے' ان ضوابط کے اندر رہ کر ہی وہ اپنی آزادیٔ فکر و عمل کا آزادانہ استعمال کر سکتا ہے۔ گویا اسے شریعت کی حدود و قیود کے اندر رہی اپنی سیاست' ثقافت' تہذیب' تمدن' آرٹ اور اپنے کلچر کا سارا کاروبار زندگی انجام دینا ہوتا ہے۔ مگر دنیا فریبی کے چکر میں پڑ کر ہم نے اپنے دین کو بے جان عقیدے' مردہ رسومات' ذوق سے عاری عبادات کے قفس میں اسیر کر رکھا ہے۔ اسی لئے تو ہمارا معاشرتی و سماجی نظام جو تہذیب و تمدن کا عکاس اور مظہر ہوتا ہے' خدا اور رسولؐ کے کسی حکم اور فرمان کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ انفرمیشن کے موجودہ دور دجالیت اور زمانہ "جاہلیت" میں انسان مذہب کی ہر قید سے آزاد ہو کر بے قید ہونا چاہتا ہے۔ اسی آزادی اور آزاد خیالی کا ایک مظہر الیکٹرانک میڈیا بھی ہے۔ چنانچہ آج ڈش انٹینا کی ترک تازیوں سے کون واقف نہیں۔ خود شیطان بھی آج کے مہذب انسان کی اس "ترقی" اور "یافت" پر پھولا نہیں سما رہا کہ میں جو چاہتا تھا وہی ہو رہا ہے کہ نسل انسانی بے لباس ہو کر "اسفل سافلین" کا "اعزاز" حاصل کر رہی ہے۔ ڈش انٹینا عام آدمی کی پہنچ سے باہر تھا لہٰذا ڈش کلچر کو گھر گھر پہنچانے کے لئے کیبل ٹی وی کا سہارا لیا گیا۔ کیبل ٹی وی بقول ایک "ناظر" کے قوم کو گھر بیٹھے غیر مطلوب جنسی تعلیم سے سرفراز کر رہا ہے۔ اگر حکومت وقت سکولوں اور کالجوں میں نصاب تعلیم میں یہ "قیمتی" اور "ضروری" مضمون شامل کرتی تو علماء کرام' دینی جماعتیں اور ان سے وابستگان شور و غوغا ڈالتے مگر کیبل ٹی وی کے ذریعے قوم کو جنسی تعلیم بھی دی جا رہی ہے اور وہ بھی گھر بیٹھے اور اس کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بھی بلند نہیں ہو رہی اور یوں گلشن کا یہ "نشاط انگیز" پروگرام شیطان کے پجاری پوری منصوبہ بندی اور کامیابی سے چلائے جا رہے ہیں۔ خیر شیطان اور اس کے ایجنٹوں کا تو کام اور دھندہ ہی یہی ہے مگر حیرت اور افسوس ہے ان لوگوں پر جو ایک جانب خود کو اللہ کا بندہ' رسولؐ کا امتی اور اُمت کا فرد بھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کیبل ٹی وی کے ذریعے اپنے گھر کو "جہنم زار" سے بھی منسلک کر رہے ہیں۔

اے عزیزان وطن! اگر ہم نے ڈش کلچر کی "تہذیب نو" کی یلغار سے اپنے گھروں کو محفوظ نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں جب ہم اور ہماری اولاد مغرب کی تہذیبی "اقدار" کا ایکشن ری پلے پیش کرنے لگے گی اور پھر انسان اور انسانیت دونوں کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے ہماری مشرقی تہذیب سے بھی اٹھ جائے گا اور یوں ہماری تہذیب "طاؤس و رباب اول اور طاؤس و رباب آخر" کا کامل نقشہ پیش کرنے لگے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے حق میں بڑا مہربان ہے اپنے مہربان نبیؐ پر نازل کردہ پیغام رشد و ہدایت میں فرمایا ہے کہ

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو' اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام کرو' وہ آگ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

لیکن اگر ہم نے اس ربانی اور قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اس کی خلاف ورزی ہی کو اپنا مقصد زندگی اور لائحہ عمل بنائے رکھا تو پھر دنیا کی بربادی اور آخرت کی ناکامی سے ہمیں کوئی بچا نہیں سکتا! خدارا! فرصت کے لمحات میں دروں بینی اور خود احتسابی کے ذریعے اپنے گھروں کا جائزہ لیجئے کہ کہیں وہاں بے حیائی اور اخلاق سوز پر مبنی متحرک مناظر تو "منظر کشی" نہیں کر رہے۔

اگر جائزہ لینے کے بعد محسوس ہو کہ گھر کی چار دیواری کی صورت حال اطمینان بخش نہیں ہے تو پھر ابھی فیصلہ کیجئے اور اپنے گھروں کو' ایک بندہ مومن کی طرح کا مثالی گھر بنانے کے لئے شیطان اور اس کی اولاد کو بذریعہ ڈش اور بواسطہ کیبل ٹی وی اپنے گھروں سے فوراً نکال باہر کیجئے وگرنہ ـــــ پھر ـــــ جو ـــــ ہو گا!

اللہ تعالیٰ اُس منظر نامے سے مجھے' آپ کو' سب کو محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین!!

ان تربیت گاہوں کا مقصد رفقاء کو غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کیلئے ہر قسم کے فکری و عملی سامان سے مسلح کرنا ہے

ایمان میں تازگی پیدا ہوئی' یہ یادگار تربیت گاہ تھی' نظم کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آئی ○ شرکاء کے تاثرات

حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام "میاندم" سوات میں مبتدی و ملتزم تربیت گاہوں (۲۳ تا ۲۹ جولائی) کی اجمالی روداد

مرتب : نعیم اختر عدنان

بہت ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بامقصد زندگی گزارنے کا شعور اور سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ بے مقصد زندگی گزارنا تو جانوروں کا شیوہ ہے۔ انسانوں کی عظیم اکثریت نے چند روزہ زندگی کو آرام دہ اور پر تعیش بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو دنیا طلبی کے تندور میں جھونک رکھا ہے جس کے نتیجے میں انسان اشرف المخلوقات کے مقام بلند سے گر کر "اسفل سافلین" کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسے منظر نامے میں اُن لوگوں کو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہئے کہ جن کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول بن چکا ہو! اس وقت اللہ کا عطا کردہ دین اسلام پوری دنیا میں اجنبی بن چکا ہے' اسے پھر سے دنیا کا دستور العمل بنانے کے لئے تنظیم اسلامی کے جملہ اعوان و انصار اپنا' تن من دھن لگانے کے لئے اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی کی قیادت اپنے مجاہدوں کی ہمہ پہلو تربیت کا خصوصی اہتمام کرتی ہے تاکہ دین کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد میں رفقاء تنظیم کو ہر قسم کے فکری سامان حرب و ضرب سے مسلح کیا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تنظیم اسلامی کا شعبہ تربیت (جس کے سالار قافلہ چوہدری رحمت اللہ بٹر ہیں) گاہے بگاہے مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے تربیت گاہیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مالاکنڈ ڈویژن کے علاقے وادی سوات کے صحت افزاء مقام "میاندم" میں ۲۳ تا ۲۹ جولائی مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تربیت گاہوں کا اہتمام کیا گیا۔

"میاندم" کی یہ تربیت گاہیں تعداد شرکاء کے اعتبار سے "ریکارڈ ساز" قرار دی جاسکتی ہیں۔ مبتدی اور ملتزم تربیت گاہوں کی مجموعی حاضری ایک سو پندرہ تک جا پہنچی۔ تربیت گاہ کے روح رواں اور پیر مغاں کی حیثیت تو بلا شرکت غیرے محترم بٹر صاحب کو حاصل تھی جبکہ معاون اساتذہ میں مولانا غلام اللہ حقانی اور قاضی فضل حکیم جیسی شخصیات شامل تھیں۔ تنظیم اسلامی کے امیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اپنے مامورین کو دین کا جامع تصور اور تنظیم اسلامی کا منشور بذریعہ ویڈیو کیسٹ سمجھاتے اور پڑھاتے رہے۔

حلقہ سرحد میجر (ر) فتح محمد کی عمل داری میں اپنی تاسیس کے دن سے کام کرتا آرہا ہے تاہم کام کی وسعت اور فاصلوں کی دوری کے پیش نظر مالاکنڈ ڈویژن پر مبنی ذیلی حلقہ تشکیل دیا گیا ہے۔ اسی ذیلی حلقہ میں قیادت کے فرائض مولانا غلام اللہ حقانی کے سپرد کئے گئے۔ حلقہ سرحد کو اظہر بختیار خلجی کی صورت میں قائدانہ صلاحیتوں کا حامل ایک مخلص' باہمت اور جوان جذبوں سے مسلح شخص مل گیا تو امیر قافلہ نے انہیں سرحد شمالی کے امیر کے منصب پر فائز کر دیا۔ "میاندم" میں ہونے والی مبتدی و ملتزم تربیت گاہوں کے جملہ انتظامات امیر حلقہ سرحد شمالی اظہر بختیار خلجی کی زیر ہدایت و زیر سرپرستی بحسن و خوبی اپنی تکمیل کو پہنچے۔ قاضی فضل حکیم صاحب کو خلجی صاحب کے نائب و معاون کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ فرض اپنی استعداد و استطاعت سے بھی بڑھ کر انجام دیا۔ رفقاء اپنے اس رفیق سفر کے لئے خیر و برکت کی اس دعا میں ہمارے ساتھ شامل ہوں "اللھم زد فزد" آمین۔ جناب نصر اللہ صاحب اور جناب نظام اللہ کے ساتھ ساتھ لذتِ کام و دہن کے روح رواں عبدالغفور صاحب کی اپنے کام سے لگن بھی قابل داد اور قابل تعریف تھی۔ البتہ ابتدائی دنوں میں سالن میں مسلسل "دال" کی حکمرانی قائم رہی جس پر فیروز والا سے تعلق رکھنے والے ایک رفیق جناب افتخار احمد نے منتظمین تربیت گاہ کو کسی شاعر کے مزاحیہ اشعار سنائے۔ انہوں نے ترنم کے ساتھ یہ کلام سنایا' کچھ اشعار پیش خدمت ہیں جنہیں اب حال سے ماضی کے صیغے میں بدل دیا گیا ہے ۔

پکتی تھی جب دال کبھی' میرا دل روتا تھا
معدے کا دستور نرالا ہوتا تھا
پیٹ میں گڑ گڑ' ہاتھ میں لوٹا ہوتا تھا
معدے کا دستور نرالا ہوتا تھا

اس نظم کا فائدہ یہ ہوا کہ تربیت گاہ کے آخری دنوں میں کھانے کی صورت حال کافی بہتر ہو گئی۔

اب آیئے تربیت گاہ کے پروگراموں کی طرف' ہر صبح کا آغاز ناظم تربیت جناب بٹر صاحب کی پاٹ دار آواز کے ساتھ ہوتا کہ "اٹھو بھئی اٹھو" تین بج گئے ہیں۔ رفقاء اس صدائے جرس پر بیدار ہوتے' حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرتے اور باوضو ہو کر حسب توفیق و استطاعت اللہ کے حضور نماز تہجد کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ بعد نماز فجر مختصر سا درس قرآن ہوتا' درس قرآن کے بعد آرام کے لئے وقفہ دیا جاتا۔ کچھ لوگ صبح کی سیر کا لطف اٹھانے باہر نکل جاتے اور بعض دوسرے اس وقفہ کو آرام کی نذر کر دیتے۔ سات سے ساڑھے سات بجے کے دوران ناشتہ مہیا کیا جاتا اور آٹھ بجے تربیت گاہوں میں تدریس کا آغاز ہو جاتا۔ ۱۱ بجے چائے کا وقفہ ہوتا۔ وقفہ کے بعد ایک بجے تک تربیت گاہ کے طے شدہ معمولات جاری رہتے۔ نماز ظہر کی ادائیگی کھانے اور آرام کے لئے ایک بجے سے نماز عصر تک کا وقفہ ہوتا۔

ان تربیت گاہوں میں نصاب کچھ یوں تھا۔ ملتزم رفقاء کو دین کا جامع تصور' جہاد کے مراحل و لوازم' منہج انقلاب نبوی' اسلامی نظم جماعت کے تقاضے' انفرادی دعوت کی خدمت و اہمیت' رفقاء کے باہمی تعلقات' ملتزم رفقاء کی ذمہ داریاں بحوالہ (نظام العمل) پردے کے احکامات' کارکنوں کے اوصاف' ہر لیکچرز کے علاوہ عبادت رب' شہادت علی الناس' اقامت دین اور جہاد کے موضوع پر تقاریر کرنے کی مشق کروائی گئی۔ شرکاء تربیت کا تفصیلی تعارف بھی ہوا۔ سوال و جواب کی نشست تربیت گاہ کے نظام الاوقات کا مستقل حصہ رہی۔

جبکہ مبتدی رفقاء کے لئے دین کا جامع تصور' ایمانیات ثلاثہ' رسومات' تنظیم اسلامی کا تعارف' اسلامی تحریکوں کا مطالعہ' بنیادی اسلامی اخلاقیات' کارکنوں کے اوصاف' تعارف رفقاء اور سوال و جواب جیسے پروگرام شامل تھے۔ مبتدی رفقاء میں اسلامی تحریکوں کے مطالعہ

کے پیریڈ میں حساسیت دیکھنے میں آتی رہی۔

اس موقع پر ہم نے ان تربیت گاہوں کے چند شرکاء کے تاثرات بھی قلم بند کئے جو قارئین کی دلچسپی کے لئے حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں۔

رفقاء و احباب کے تاثرات

☆ لاہور شرقی سے جناب فرحان احمد نے کہا کہ "تربیت گاہ میں شرکت سے ایمان میں تازگی پیدا ہوئی' نصب العین زیادہ واضح ہو کر سامنے آیا۔ چنانچہ اب میں بہتر طریقے سے اپنی دینی اور تنظیمی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆ ملتان سے محمد زاہد ملک نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ رفقاء کو ایسی تربیت گاہوں میں لازماً شرکت کرنی چاہئے۔

☆ پنڈی گھیب کے قاضی عبدالرحمٰن نے کہا: تربیت گاہ کے اختتام پر یہ خیال دل میں آیا کہ محترم بٹر صاحب اسی جگہ ایک "شہر تربیت" آباد کرلیں تاکہ رفقاء ان سے کسب فیض حاصل کرتے رہیں۔ تربیت گاہوں میں دور و نزدیک سے آنے والے رفقاء کا تعارف ہوا۔ گویا یہ سب لوگ قافلۂ حق کے ہم سفر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا انقلابی پیغام آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ محمد ایاز' مالاکنڈ: اس تربیت گاہ کے ذریعے جامع انداز میں اسلام کا اصلی تصور سامنے آیا۔ میرے لئے تربیت گاہ میں شرکت سعادت دارین کا باعث بنی۔

☆ عالم زیب' حلقہ سرحد: انقلابی تحریک کے کارکنوں کے لئے ذہنی و فکری تربیت محتاج بیان نہیں' لہٰذا ہر وہ رفیق جس نے ابھی تک کسی تربیت گاہ میں شرکت نہیں کی وہ اپنی اس کمی اور کوتاہی کی تلافی کرے۔

☆ محمد اشفاق (مبصر) لاہور: تربیت گاہ کے ذریعے حاصل ہونے والے دینی علم سے میں گذشتہ پچاس سال سے محروم تھا۔ میں تنظیم کی دعوت' طریقہ کار سے پوری طرح متفق ہوں' میں کوشش کروں گا کہ تنظیم اسلامی کی معاونت کروں۔

☆ اعجاز احمد (دیر' حلقہ سرحد): تربیت گاہ کے ذریعے نظم کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آئی۔

☆ ملک خضر حیات کامرہ ضلع اٹک: بہترین نظم و ضبط' مشفق اساتذہ اور دین کا انقلابی فکر یہ سب کچھ دل کی دنیا کو منور کرنے کا باعث بنا۔

☆ محمد نذیر کارہ ضلع اٹک: تربیت گاہ کے ذریعے مسلمان کے فرائض سے آگاہی ہوئی۔ جو کچھ میں نے ان سات دنوں میں تنظیم کے اکابرین سے سیکھا ہے' اس پر عمل کی کوشش بھی کروں گا۔ ان شاء اللہ

☆ ظہیرالدین' باجوڑ: مبتدی اور ملتزم تربیت گاہ میں شرکت سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی تنظیم اسلامی ہی اپنے لوگوں کی تربیت کرتی ہے۔ کوئی اور ایسی تنظیم نہیں ہے جس نے اپنا طریق کار قرآن مجید اور سیرت نبویؐ سے اخذ کیا ہو' اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تربیت گاہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اس نظم سے خاص طور پر متاثر ہوا ہوں کہ اگر بندہ اپنے ہی گھر میں معمول کی زندگی گزار رہا ہو' تو کھانے پینے وغیرہ میں ضرور کچھ گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ لیکن ان تربیت گاہ کے دوران کوئی ایسی بات نہ تھی۔ عام ساتھیوں نے دن رات ہماری خدمت کی خاص طور پر ڈاکٹر اقبال صوفی صاحب نے تقریباً دس دن اپنا کلینک بند کیا اور اپنے جان اور مال کے ساتھ تربیت گاہ میں موجود رہے اور بروقت ساتھیوں کو ہر قسم کی طبی امداد فراہم کی۔ میرے خیال میں آج کے اس دور میں ایسے بے لوث اور مخلص لوگ بہت کم ہی ہوتے ہیں۔

☆ غلام مقصود پشاور: مبتدی و ملتزم رفقاء تنظیم اسلامی کی دینی اور فکری نیز عملی رہنمائی کے لئے منعقد ہونے والی یہ تربیت گاہ ایک یادگار تربیت گاہ تھی جس کو غالباً تربیت گاہوں کی تاریخ کی سب سے بڑی تربیت گاہ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں مادہ پرستی کے اس دور میں اپنے ذاتی کاروبار اور دنیوی مصروفیات میں سے چند دن نکال کر اس تربیت گاہ میں شرکت کی توفیق بخشی۔

میں اس تربیت کے گاہ اساتذہ کرام' انتظامیہ اور خدمت کرنے والوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس محنت کا صلہ عطا فرمائے۔

☆ حاجی احمد نواز (ملتان): تربیت گاہ کی فکری غذا سے ذہن یکسو ہو گیا ہے۔ جملہ اہتمام قابل داد تھا۔

☆ غوث الرحمٰن مالاکنڈ: تنظیم اسلامی وہ منفرد دینی تحریک ہے جو مسلسل اپنے رفقاء کی تربیت کا فرض ادا کرتی رہتی ہے۔ رفقاء موجودہ باطل نظام کو توڑنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔ ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ صحیح معنوں میں نبی اکرمؐ کے وارث اور قرآن و سنت کے علمبردار ہیں۔

☆ خضر حیات' خوشحالی حلقہ سرحد: رفقاء کے ربط و ضبط اور اساتذہ کے حسن سلوک اور طریقہ تعلیم نے بہت متاثر کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تنظیم اسلامی کے قافلہ کو رواں دواں رکھے۔

☆ منعم محمود' قرآن اکیڈمی لاہور: تربیت گاہ نے میری زندگی پر بہت گہرے نقوش مرتب کئے۔ اضافی طور پر بہت سے رفقاء سے تعارف حاصل ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تنظیم کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

چوہدری محمد جمیل اختر: میں نے اس تربیت گاہ کو بہت مفید پایا۔ میں اساتذہ کرام اور انتظامیہ کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعاگو ہوں۔

تربیت گاہ کے اساتذہ کرام کے محسوسات:

مولانا غلام اللہ حقانی: شرکاء تربیت نے بڑی دلجمعی اور ذوق و شوق سے پروگراموں میں شرکت کی۔ تربیت گاہیں بحیثیت مجموعی اطمینان بخش طریقے سے اختتام پذیر ہوئیں۔ تربیت گاہوں میں شریک رفقاء کی اکثریت تحریکی مزاج کی حامل نظر آئی۔ سات دنوں کے دوران یہ محسوس کیا گیا کہ رفقاء میں خیرخواہی' بھائی چارے اور ہمدردی کا جذبہ پورے طور پر غالب نظر آیا۔

☆ قاضی فضل حکیم: حاضری کے اعتبار سے تنظیم اسلامی کی تاریخ کی یہ سب سے بڑی تربیت گاہ تھی مگر اس کے باوجود کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ باہمی ہمدردی اس تربیت گاہ کا اہم ترین ہدف رہا۔

☆ اظہر بختیار خلجی: تربیت گاہ کے تمام شرکاء کا رویہ ہمارے ساتھ تعاون پر مبنی تھا۔ یہ ایک بہت اچھی علامت ہے۔

بقیہ: اداریہ

کرے تو مذاکرات کا ڈول ڈال دو اور جب صورت حال بہتر ہو تو فوراً منحرف ہو جاؤ۔ ندائے خلافت کے قارئین کے لئے یہ بات انتہائی دلچسپی کی ہوگی کہ بھارت اقوام متحدہ کی ۱۹۴۸ء والی قرارداد سے یہ کہہ کر منحرف ہوا تھا کہ پاکستان چونکہ سیٹو اور سینٹو کا رکن بن گیا ہے لہٰذا اب بھارت کشمیر میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کروانے کا پابند نہیں۔ بھارت کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اول تو اتنی زبردست قربانیاں دینے کے بعد یہ تحریک اب دب نہیں سکتی اور فرض کیا کہ یہ وقتی طور پر دب بھی گئی تو کوئی وقت جاتا ہے یہ تحریک پھر ابھرے گی اور بھارت کے لئے مزید الجھنیں اور مشکلات پیدا کرے گی۔ بھارت ہر وقت دھوکے اور ٹال مٹول سے کام نہیں نکل سکے گا اور یہ تحریک جتنا طول کھینچے گی بھارت کے لئے اتنی ہی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ہر وقت اور ہر معاملے میں پاکستان کو الزام دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ اسے جاننا چاہئے کہ ایسی تحریک جو محض باہر سے اٹھائی جا رہی ہو گیارہ دن تو چل سکتی ہے گیارہ ماہ یا گیارہ سال کبھی نہیں چل سکتی اور آج کی دنیا میں کسی قوم کو زبردستی اپنے ساتھ نتھی نہیں کیا جا سکتا۔ بھارتی عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ ان سے حاصل کردہ محصولات کو کب تک کشمیر میں بارود بنا کر جلاتی رہے گی۔

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا

خطاب جمعہ

تنظیم اسلامی کے ویب سائٹ پر بھی سنا جا سکتا ہے

ویب سائٹ ایڈریس:

www.tanzeem.org

نیز ہمارا ای میل ایڈریس یہ ہے:

anjuman@tanzeem.org

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

سرگودھا میں قرآنی ورکشاپ کا اجراء

انجمن خدام القرآن سرگودھا کے اراکین اپنے معمول کے قرآن فہمی اور رجوع الی القرآن کے پروگراموں میں جدت پیدا کرنے کے لئے غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً عمومی ترغیب و تشویق کے لئے پروگرام منعقد کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند ماہ سے صدر انجمن نے ایک تجویز دی کہ "قرآنی ورکشاپ" کے عنوان سے لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس کے لئے ابتداً چند منتخب موضوعات پر جس کی عوام کے عقائد پر براہ راست اثر پذیری مقصود ہو جامع دروس تیار کئے جائیں جس کے لئے دائرہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں تک پھیلایا جائے۔

لہٰذا پہلا موضوع "فلسفہ توحید" منتخب کیا گیا۔ جس کی تیاری ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب نے قبول کی۔ یہ طے ہوا کہ موضوع کے تمام ممکنہ گوشوں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک ایسا نقشہ تیار ہو جو توحید کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے' چنانچہ اس کے عنوانات اور ذیلی عنوانات توحید کی اقسام' اس کے مفہوم' علمی اور عملی مضمرات تمام ممکنہ جہتوں توحید فی الذات' توحید فی الصفات' توحید فی الحقوق کے عنوانات باندھے جائیں۔ اللہ کی صفت علم اور صفت قدرت کو اجاگر کیا جائے۔ توحید کے ثمرات اور شرک کے فسادات پر بحث ہو۔ کوشش یہ کی جائے کہ اس نقشہ میں ایسا کوئی نشان نہ رہ جائے جو انسانی معاشرہ پر اثر پذیر ہو سکتا ہو۔ اس تمام تصویر میں رنگ فقط قرآن مجید کی آیات اور سیرت نبوی کی مستند احادیث کے بھرے جائیں اور قرآن و حدیث ہی سے دلائل اور شہادتیں لائی جائیں۔ الحمد للہ چند ماہ کی مساعی اور علمی کاوشوں کے نتیجہ میں یہ نصاب تیار ہو گیا۔

ہر موضوع کے ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے اس کی سلائیڈز تیار کی گئیں اور پروجیکٹر کی مدد سے ان کو سامعین کو سبق ذہن نشین کرانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ ساتھ ہی مفصل نوٹس بھی تیار کر لئے گئے تاکہ ہر ایک سامع کو ایک ایک سیٹ دے دیا جائے جو بعد میں بھی کام آ سکے۔

مقصد یہ تھا کہ جب مدرس تفصیلات پر بحث کرے تو عنوان سلائیڈ کے ذریعے سامع کے دل و دماغ پر اثر پذیر ہو۔ یہ Process کوئی تین گھنٹے پر محیط ہے اس کے بعد سامعین کو سوالات و اشکالات کی وضاحت کا موقع دیا جائے۔ اس کے لئے ڈیڑھ گھنٹہ وقت مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک سوالنامہ ہر سامع کو دیا جائے جس کے جوابات تحریری طور پر مطلوب ہوں اور آخر میں ایک Session حاضرین/سامعین کے تاثرات کے اظہار کے لئے مقرر کیا جائے۔ تاکہ ہمیں اپنی خامیوں کا علم ہو اور ان میں بہتری لائی جا سکے اور دوسری سامعین اپنے مطالعہ اور مشاہدات اور زیر بحث درس سے اخذ شدہ فکر سے سامعین کو مزید مستفید کر سکیں۔

یہ سارا Project اصلاً تو ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب کی ذاتی علمی کاوش' محنت اور مطالعہ کا ثمر ہے۔ پھر بھی جناب عبدالخالق اور عزیزم عمر فاروق کی مساعی بھی اس بارے قابل تحسین ہیں۔

یہ فیصلہ ہوا کہ یہ پروگرام ابتداً جامع مسجد خیابان صادق میں منعقد کیا جائے۔ جہاں ڈاکٹر صاحب خود روزانہ درس قرآن دیتے ہیں اور لوگ ڈاکٹر صاحب کے طرز تدریس سے مانوس ہیں۔

لہٰذا یہ پروگرام ۷ جولائی ۲۰۰۰ء صبح کی نماز کے بعد اسی مسجد میں کیا گیا اور قریب پانچ گھنٹوں کے اس صبر آزما پروگرام میں سامعین کی کامل توجہ اور دلجمعی ہمارے لئے تسکین اور اطمینان کا باعث تھی۔ الحمد للہ لوگوں نے

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا کراچی میں رفقاء تنظیم سے خطاب

امیر محترم نے قرآن اکیڈمی کراچی میں ۱۲ جون ۲۰۰۰ء کو رفقاء سے خطاب فرمایا تھا اس کا ایک حصہ تو ندائے خلافت کے شمارہ نمبر ۲۹ میں شائع ہو چکا ہے۔ رفقاء کے استفادے کے لئے اس کا دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے :

"ایک بات جو عام طور پر تنظیم میں اور خصوصیت کی ساتھ کراچی میں نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے دعوت کا ذریعہ قرآن کریم کو بنایا ہے اور تعلیم و تعلم القرآن اور درس و تدریس قرآن کا الحمد للہ ایک وسیع حلقہ وجود میں آ گیا ہے' لیکن بعض حضرات کو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اسی پر مورچہ لگائے بیٹھے ہیں۔ گویا کہ بس یہی کام All in all ہے جس کی زبان اللہ نے کچھ کھول دی ہو' جو اظہار مافی الضمیر پر قادر ہو گیا ہو' جس کی بات لوگ دلچسپی سے سنتے ہوں' اسے بیان کرنے میں یقیناً انشراح ہوتا ہے۔ طبیعت میں کچھ آمدگی بھی ہوتی ہے' لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم یہ سارا معاملہ کر رہے ہیں ایک انقلابی جدوجہد کے لئے۔ اس کے لئے تنظیم کی حیثیت تنے کی ہے' جڑ دعوت رجوع الی القرآن ہے' غذا ہمیں درس و تدریس کے ذریعہ ملتی رہنی چاہئے' لیکن وہ غذا تنظیم کی طرف جائے نہ کہ صرف پڑھنا پڑھانا ہی مقصد بن کر رہ جائے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اس ملک کے اندر ہمارے سوا کوئی اس میدان میں نہیں تھا' لیکن اب اس ملک پر اللہ کا فضل یہ ہوا ہے اور اسے میں اچھے آثار میں سے سمجھتا ہوں' وہ یہ ہے کہ قرآن فہمی' قرآن انسٹی ٹیوٹ' الہدیٰ فاؤنڈیشن ایک Mushroom Growth ہے۔ ان سب میں قرآن پڑھو پڑھاؤ کی بات تو ہے' اس سے آگے کی کوئی بات نہیں۔ یقیناً یہ ایک طرح کی نئی تبلیغی جدوجہد ہے۔ جس میں قرآن کو محور بنا لیا جاتا ہے۔ میں بھی اگر تنظیم قائم نہ کرتا اور درس و تدریس میں جو کشش تھی اگر میں اسی میں لگا رہتا تو اس سے آگے کی بات سامنے نہ آتی۔ اس میں بھیڑ بہت ہوتی ہے۔ لوگ بہت آتے ہیں۔ اور یہاں جب کہا جاتا ہے کہ آگے بڑھو اور جب نہیں بڑھتے تو میں صاف کہتا ہوں کہ مجھے مسجد میں ایسے بہت سے لوگ نظر آتے ہیں جو بیس بیس برس سے میرا خطاب سن رہے ہیں لیکن زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ پہلی صف میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہم تو انہیں Discourage کرتے ہیں۔ اب ان کی کتنی دل شکنی ہوتی ہے۔ لوگ انہیں کڑوی نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی وہ آتے ہیں۔ لیکن جنہیں صرف مجمع لگانا ہو' جنہیں صرف پڑھنے پڑھانے ہی کا کام ہے تو ٹھیک ہے جتنی زیادہ ان کی حاضری ہو اتنی ہی ان کی کامیابی ہے۔ گراف ان کا اونچا جا رہا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کام تو اب بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ ہمیں سمجھنا چاہئے گویا کہ یہ اسٹیج ہم نے دوسروں کے حوالے کر دیا ہے اور ان میں سے بعض لوگ فکر صحیح دے رہے ہیں' لیکن اس سے آگے قدم اٹھانے کو کوئی تیار نہیں۔ اگر یک سالہ کورس کو اتنا اہم سمجھ لیا جائے کہ مرکزی مجلس مشاورت کا کوئی رکن اس وجہ سے اس کے اجلاس میں نہ پہنچے کہ یک سالہ کورس کی مصروفیات اس کو لاحق ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ الٹا ہو گیا ہے۔ جو چیز ذریعہ کی صورت تھی وہ مطلوب بن گئی ہے۔ نسبت و تناسب کا معاملہ اگر برعکس ہو جائے گا تو بہت غلط ہو گا۔ جب میں نے انجمن بنائی تھی اور اس کا دیباچہ لکھا تھا تو صاف لکھ دیا تھا کہ یہ میرا مقصود نہیں۔ انجمن بنانا میری زندگی کا پہلا قدم ہے۔ میرے پیش نظر تو بیعت کی بنیاد پر ایک جماعت بنانا ہے جو اقامت دین کی جدوجہد کرے۔ یہ تو ایک ابتدائی شکل تھی جو ہم نے ایک ادارے کی صورت میں دی تھی۔ اگر کہیں لاشعوری طور پر کسی کے ذہن میں سارا زور تعلیم و تعلم قرآن اور درس و تدریس قرآن پر ہو گیا ہے' اس کی اہمیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اپنی ساری بھاگ دوڑ اسی کے لئے ہو رہی ہے تو یہ ایک خلا ہے۔ اسے درست کیجئے۔ کہتے ہیں کہ ظلم کیا ہے۔ وضع شیئی علی غیر محلہ شے صحیح ہے لیکن آپ نے اسے اس کے مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا ہے تو یہ ظلم ہے۔ کام تو صحیح ہے لیکن اصل اس پوری تحریک کے اندر جو اس کا اصل مقام ہے وہ اس کا دعوتی مرحلہ ہے۔ اس کو اسی جگہ رکھئے۔ آگے جو تنا ہے جس کو حدیث میں عمود کہا گیا ہے۔ وہ تنظیم اسلامی ہے۔ ہمیں بیعت کی بنیاد پر اس کے نظم کو قائم رکھنا' نظم کو پوری طرح کس کر رکھنا ہے۔

(رپورٹ : محمد سمیع' کراچی)

پروگرام پسند کیا۔

اب اس پروگرام پر مشاورت کے بعد مزید نظرثانی کی گئی۔ اراکین اور خاص کر حاجی اللہ بخش صاحب کے قیمتی مشوروں کی روشنی میں چند ترامیم تجویز کی گئیں جن کو مدرس نے بھی سراہا اور پروگرام میں جدت فکر اور پیرایہ اظہار کو مزید بہتر کیا گیا۔

مورخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۰ء بروز اتوار یہی پروگرام قرآن ہال میں منعقد کرنا طے پایا۔ اس کے لئے ذاتی رابطے اور دعوتی خطوط لکھے گئے۔ احباب نے بھرپور حصہ لیا اور اس پروگرام کی دعوت' افادیت اور ضرورت کو بھرپور طور پر اجاگر کیا۔

۳۰ جولائی ۲۰۰۰ء صبح ساڑھے پانچ بجے پروگرام کا آغاز ہوا۔ راقم نے موضوع متعارف کرایا۔ طریقہ تدریس سمجھایا اور جناب ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے فضل و کرم سے بہت جم کر اور پراعتماد طور سے فلسفہ توحید کے ہمہ جہت پہلوؤں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تیار کردہ مواد کی مدد سے اس طرح اُجاگر کیا کہ سامعین کی توجہ اور شوق سماعت قابل دید تھا۔ پہلا Session ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوا جس کے بعد پرتکلف ناشتے سے سامعین کی تواضع کی گئی۔ اس کے بعد سوال و جواب پھر تاثرات کے Session ہوئے۔ الحمد للہ احباب نے بڑی دلچسپی کا ثبوت دیا اور بھرپور حصہ لیا۔ حاجی اللہ بخش صاحب اور مہراللہ یار خان نے کھل کر "اقامت دین" میں اہل ایمان کے کردار اور وقت کی پکار اور اس کے لئے جماعت سازی کی ضرورت پر اظہار خیال کیا۔ جسے ڈاکٹر صاحب نے اپنے درس میں "توحید" کی چوٹی کے عنوان سے متعارف کروایا تھا۔

قریب چالیس احباب نے شرکت کی اللہ کے فضل و کرم سے پروگرام کافی کامیاب رہا۔ لوگوں نے بہت پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی کو قبول فرمائیں۔

(رپورٹ : کے بی ملک)

قرآن اکیڈمی جی دارالسلام میں شب بسری

الحمد للہ! گزشتہ ۵ سال کی انتھک کوششوں سے تنظیم اسلامی میرپور آزاد کشمیر کے رفقاء جی دارالسلام کے مقام پر ایک وسیع و عریض مسجد اور ملحقہ قرآن اکیڈمی تعمیر کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں جو کہ ایک پرفضا اور کشادہ مقام پر واقع ہے۔ ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان یہاں کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔ یہ اکیڈمی وسعت اور سہولتوں کے اعتبار سے علاقہ کی سب سے بڑی درسگاہ ہے۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء ہر ماہ کے آخری ہفتہ کے روز نہایت اہتمام اور باقاعدگی سے یہاں شب بسری کا پروگرام منعقد کرتے ہیں جو کہ دعوتی و تربیتی نوعیت کا ہوتا ہے۔

ایسی ہی ایک شب بسری ۲۹ جولائی کو منعقد ہوئی۔ نماز مغرب کے بعد بزرگ اور سینئر رفیق جناب سید محمد آزاد صاحب نے شرکاء کو شب بسری کی غرض و غایت بتائی اور شرکاء کو خوش آمدید کہا۔

نماز مغرب کے فوراً بعد امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ویڈیو کیسٹ بعنوان "خطبات خلافت" چلایا گیا جو کہ نماز عشاء تک جاری رہا۔ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ راقم نے کھانے کی آداب بتائے۔ کھانے کے فوراً بعد کیسٹ کا بقیہ حصہ دیکھا گیا۔ ۱۰ بجے جب کیسٹ ختم ہوا تو جناب سید محمد آزاد صاحب نے درس حدیث دیا۔ راقم نے حدیث کے موضوع کے مطابق یہ بات زور دے کر کہی کہ آخرت میں صرف انسان کو اپنی ہی پڑی ہو گی کسی دوسرے کا خیال نہ ہو گا۔ تو کیوں نہ ہم آج سے اس کی تیاری شروع کردیں۔ اور جن لوگوں اور عزیز و اقارب کے لئے ہم سب کچھ کر رہے ہیں جب آخرت میں یہ ہمارے کسی کام نہیں آسکیں گے تو ہمیں اپنے اعمال درست کر لینے چاہئیں تاکہ ہم اپنے اعمال کی بنا پر اور فضل خداوندی کے تحت آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ درس حدیث کے بعد موصوف نے اسلام میں خود احتسابی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ رات گیارہ بجے آرام و نیند کا وقفہ ہوا۔ صبح ۳ بجے بیداری ہوئی۔ نماز وتر کو تہجد ادا کرنے کے بعد ادعائے ماثورہ و اذکار مسنونہ کا ذکر ہوا۔

نماز فجر ادا کرنے کے بعد جناب سید محمد آزاد صاحب نے سورۃ الاعراف کے پانچویں رکوع کا درس دیا جو سامعین نے نہایت توجہ و لگن سے سنا۔ خصوصاً نمازی حضرات نے جو کہ رات کی شب بسری میں شامل نہ تھے نہایت جوش و ولولہ کے تحت سنا۔ درس قرآن کے اختتام پر ناظم طعام گاہ جناب ممتاز الحسن نے ناشتے کا اہتمام کیا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد سید محمد آزاد صاحب نے التزام جماعت اور جماعتی ڈسپلن پر ایک پراثر تقریر کی جس کا گہرا اثر رفقاء کے دلوں پر ہوا اور سب نے عہد کیا کہ وہ آئندہ کسی سستی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ موصوف نے رفقاء کو تنبیہ کی وہ اپنی احتسابی رپورٹیں روزانہ نہایت اہتمام کی تحت پر کیا کریں۔ آپ نے یہ بات رفقاء کو بار آور کرائی کہ آپ سب کے سب پوسٹ گریجوایٹ ہیں اور ایک اعلیٰ فکری و نظریاتی جماعت سے وابستہ ہیں اس لئے ایک بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے اپنے مقام کو پہچانیں۔ اگر باقی لوگ Quantity کے لحاظ سے زیادہ ہیں تو آپ Quality کے اعتبار سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس جھنجوڑنے والی تقریر کے بعد رفقاء نے دعوتی و تربیتی پروگرام کی رفتار اور طریقہ کار پر سیر حاصل گفتگو کی۔ سید قطب شہید کی تفسیر کا ایک ایمان افروز اقتباس جو ندائے خلافت کا سرورق تھا اور ابوالکلام آزاد کی تقریر کا ایک اقتباس جو کبھی ۱۹۸۸ء کے ندائے خلافت میں شائع ہوا تھا اس شب بسری کے آخری موضوع تھے۔ ٹھیک سات بجے صبح اس ایمان افروز شب بسری کا اختتام ہوا۔ اس شب بسری میں ۹ رفقا' ۱۹ احباب اور ۳ بچوں نے شرکت کی۔ شب بسری کے اختتام پر سید محمد آزاد صاحب نے رفقاء و احباب کو پرتپاک طریقہ سے خدا حافظ کیا۔ بچوں کی حوصلہ افزائی کی اور مسجد میں جاری و ساری تعمیراتی کام کا جائزہ لیا۔ (رپورٹ : محمد رفیق چوہدری)

بقیہ : منبر و محراب

گزشتہ دس سال کے بیانات و تقاریر اور اس کے بعد ۱۹۴۸ء تک کے تمام دوسرے فرمودات کو یکسر نظرانداز کر دیا جائے گا تو یہ حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہو گا۔ کیونکہ اگر کسی جملے کو اس کے سیاق و سباق سے الگ کر کے دیکھا جائے تو مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس جملے کی صحیح تاویل یہ ہے کہ قائداعظم درحقیقت اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اگر ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوتا تو مسلمان اقلیت میں ہوتے اور یہاں جمہوری راستے سے اسلامی قانون کے نافذ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا' اب جبکہ مسلم اکثریت کا ملک وجود میں آگیا ہے تو خالص مغربی جمہوریت کے اصول سے بھی یہاں اسلام آسکتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا مطلب اکثریت کی حکومت ہی تو ہے۔ لہٰذا ان کا خیال یہ تھا کہ ہم اسلام کا ڈھنڈورا پیٹ کر پوری دنیا کی مخالفت کیوں مول لیں۔ کیوں نہ ہم مغربی جمہوریت ہی کے راستے سے یہاں اسلام نافذ کر دیں۔ گویا میرے نزدیک قائداعظم کے خیال میں سیکولر راستے سے بھی یہاں اسلام لایا جا سکتا تھا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اس سے ملتی جلتی بات جنوری ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کا دورہ کرنے والے برطانوی پارلیمنٹ کے ایک دس رکنی وفد کے رکن مسٹر سورنگ بین نے اپنی کتاب میں لکھی ہے جو انہوں نے ہندوستان کے حالات کو سٹڈی کرنے کے بعد واپسی پر مرتب کی یعنی : "My Impression of India" اس میں قائداعظم کے بارے میں ایک جملہ میری اس بیان کردہ تعبیر کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۱ جنوری کو ان کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی "میرے نزدیک وہ اسلام کی تلوار ہیں لیکن یہ تلوار سیکولر نیام میں رکھی ہوئی ہے"۔

اسی طرح ہم قائداعظم کے دوسرے اقوال و بیانات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ قائداعظم نے مغربی جمہوریت اور مغرب کے معاشی نظام کو کئی مواقع پر رد کیا ہے۔ قائداعظم نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر ایک ریسرچ سیل قائم کیا تھا کہ یہاں کس طرح اسلام کا معاشی نظام لایا جائے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "مغرب کے معاشی نظام نے تو انسان کو تباہی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ عام انسان کے لئے اس میں عدل کا کوئی تصور نہیں"۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک طرف پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے اقدامات کئے جائیں تو دوسری طرف حق کا حق ہونا ثابت کیا جائے اور تحریک و تاریخ پاکستان کا ریکارڈ درست کرنے کے لئے ایسے دانشوروں کا دلائل سے مقابلہ کیا جائے جو تلبیس ابلیس کا کام کرتے ہوئے نظریہ پاکستان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ ○○

Vol [illegible] Regd. CPL No.127 No.32
WEEKLY NIDA-I-KHILAFAT LAHORE

اسلام‘ جمہوریت اور پاکستان

تحریر : محمد سمیع‘ کراچی

محترم ارشاد احمد حقانی صاحب نے اسلام‘ جمہوریت اور پاکستان کی غزل چھیڑی تو محترم ایس ایم ظفر عمر رفتہ کو آواز دینے لگ گئے لیکن یاد ماضی غالباً ان کے لئے عذاب ہے لہٰذا انہوں نے ایک دم سے یہ انکشاف کر ڈالا کہ ”جونہی مملکت معرض وجود میں آئی‘ دو قومی نظریہ عملی افادیت کھو بیٹھا۔“ شکر ہے کہ وہ دو قومی نظریئے کے وجود کے منکر نہیں۔ الحمد اللہ‘ دو قومی نظریہ آج بھی اپنا وجود رکھتا ہے اس کے باوجود کہ دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت اب دولخت ہو چکی ہے۔ آنجہانی اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے فوراً بعد یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ سے قبل عظیم تر بنگال کا بڑا پروپیگنڈا ہوا لیکن الحمد اللہ عظیم تر بنگال کا خواب تشنۂ تعبیر ہی رہا اور آج بنگلہ دیش کا علیحدہ وجود خود ثابت کر رہا ہے کہ دو قومی نظریہ ایک پائندہ اور تابندہ حقیقت ہے۔ قرآن کریم نے انسان کو اپنی حیثیت یاد دلانے کے لئے بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ انسان گندے پانی کی بوند سے پیدا ہوا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسان نے اپنی حیثیت کو فراموش کیا ہے‘ اس کی سرکشی اسے خدا سے بغاوت حتیٰ کہ خدائی کے دعوے تک لے گئی ہے‘ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا والوں کے لئے نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا ہے۔ افسوس ہے کہ قائداعظم کے بعد ان کی جیب کے کھوٹے سکوں نے کوئی موقع قوم کو یہ باور کرانے کا نہیں چھوڑا ہے کہ ”پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ“ تو چند چھوکروں کا ایک جذباتی نعرہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان تو ایک قومی ریاست ہے بلکہ اب تو اسے قومیتی ریاستوں میں تبدیل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بننا تھا لیکن سیکولر فکر کے حامل حکمرانوں نے عملی طور پر اسے ایک سیکولر اسٹیٹ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس ملک کو سیکولر بنانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے رجال دین بنے رہے ہیں۔ ایس ایم ظفر اپنے مضمون میں فرماتے ہیں کہ ”چونکہ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور ہے اس لئے اکثریت کی سوچ ہی اس کے آئین کی بنیاد بن سکتی ہے اور بنے گی۔ کیا اکثریت کی سوچ مولانا مودودی کی سوچ ہے یا اکثریت کی سوچ قائد کی سوچ کے قریب تر تھی اور ہے۔ میں کسی مخمصے میں نہیں ہوں‘ مجھے اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دقت نہیں آتی کہ مملکت چلانے کے سلسلے میں اکثریت نہ مولانا مودودی اور نہ کسی عالم دین کی سوچ سے متفق تھی اور نہ اب تک ہو سکی ہے۔ وہ اپنے محسن اور بانی پاکستان ہی کی سوچ کو درست سمجھتے ہیں“۔ آج کل یہ فیشن چلا ہوا ہے کہ کوئی اسلام کو قائداعظم یا علامہ اقبال سے بریکٹ کرتا ہے‘ کوئی طالبان سے کوئی مولانا مودودی یا امام خمینی سے‘ حالانکہ عوام الناس کو تو صرف اس اسلام سے دلچسپی ہے جو محسن انسانیت‘ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لے کر آئے اور اسلام کی رہنمائی کے لئے نہ وہ علامہ اقبال یا قائداعظم محمد علی جناح کی طرف دیکھتے ہیں اور نہ کسی اتاترک کی طرف بلکہ صرف اور صرف رجال دین کی طرف دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اس تناظر میں تو ایس ایم ظفر صاحب کی گفتگو ہی بے مقصد ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سیکولر خیالات کے حامل سیاستدانوں اور [illegible] الناس کے ذہن میں نقب لگا کر انہیں دین [illegible] قائل کر دیا ہے۔ اب عوام الناس کی عظیم اکثریت کی سوچ یہ ہے کہ دینی رہنمائی کے لئے تو رجال دین ہی موزوں ترین لوگ ہیں البتہ دنیوی امور کی رہنمائی کے لئے ان میں کوئی اہلیت نہیں۔ تاہم عوام الناس کی سوچ میں اس تبدیلی کا سارے کا سارا کریڈٹ سیاست دانوں اور دانشوروں ہی کو نہیں جاتا بلکہ اس میں رجال دین کی اس کوتاہی کا بھی دخل ہے کہ وہ عوام الناس کی ذہنی و فکری تطہیر اسوہ حسنہ کی روشنی میں کرنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول (جو انہوں نے پاکستان‘ اسلام اور جمہوریت کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھا ہے) ”غلطی یہ تھی کہ مولانا مودودی ”انقلاب قیادت“ کا نعرہ لگا کر مسلم لیگی قیادت کے مدمقابل بن کر سامنے آگئے اور اس حیثیت سے انہوں نے سن ۱۹۵۱ء کے انتخابات پنجاب کے میدان میں چھلانگ لگا دی جس کے نتیجے میں اسلام اب پوری قوم کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ ایک سیاسی جماعت کا پارٹی ایشو بلکہ انتخابی نعرہ بن کر رہ گیا اور اگرچہ اس پہلے معرکہ میں جماعت اسلامی چاروں شانے چت ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود اپنے طریق کار کے ضمن میں ترمیم در ترمیم پر عمل کرتے ہوئے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہی‘ خواہ نتیجہ سوائے ایک خاص دور میں کراچی کے بلدیاتی الیکشن کے ہمیشہ ڈھاک کے تین پات ہی کے مصداق رہا۔ (بلکہ راقم کے نزدیک ایک خاص دور میں جو عرصہ آٹھ سال پر محیط تھا‘ اس نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی لوگ دنیوی امور نہیں چلا سکتے‘ ان کا اصل کام تو یہ تھا کہ وہ اس عرصہ میں بلدیہ کی حد تک اسلامی اصولوں پر عمل کروانے کی کوشش کرتے لیکن جس طرح آج اس ادارے میں بدعنوانیاں موجود ہیں‘ اس سے کچھ کم بدعنوانیاں اس دور میں نہ تھیں۔ ترقیاتی کام بھی جو کچھ ہوئے وہ لوگوں کو اب بھی یاد ہیں۔ (م س) دوسری مذہبی جماعتیں اس خیال سے اس میدان میں داخل ہوتی چلی گئیں کہ ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

جس کے نتیجے میں متعدد ”اسلام“ ایک دوسرے کے مقابل آگئے اور فرقہ واریت میں شدت اور تلخی بڑھتی چلی گئی۔ گویا جتنا بڑا صحیح اقدام یہ تھا کہ عوامی دباؤ کے تحت [illegible] ملک کی گاڑی کو اسلام کی سمت میں [illegible] بڑی غلطی جیسی غلطی یہ تھی کہ [illegible] اور نام [illegible] اقتدار [illegible] کہ رجال دین [illegible] ابھی حال ہی میں جمعیت علماء اسلام (ف) کے رہنما [illegible] احمد کا ایک انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے [illegible] درست ہے کہ دینی جماعتیں ناکامیوں کے [illegible] سیاست سے کنارہ کشی کر کے انقلابی جدوجہد کی [illegible] کر رہی ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا [illegible] صورت ہے کہ دینی جماعتیں کچھ مشترکہ نکات پر ایک [illegible] پر اکٹھی ہو سکیں؟ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ”[illegible] ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ایسا دستور بنایا جائے کہ مساوی اختیارات‘ مساوی عزت اور مساوی عہدے کے لئے اتنے صدور بنائے جا سکیں کہ تمام دینی جماعتوں کے سربراہان کھپ سکیں۔“ شاید یہی وجہ ہے کہ اتنی دوڑ دھوپ کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو صرف تین جماعتیں مل سکیں ہیں جن کے ساتھ مل کر انہوں نے ”متحدہ اسلامی انقلابی محاذ“ تشکیل دے دیا حالانکہ ان کی تنظیم اسلامی پہلے ہی یہ واضح کر چکی ہے کہ وہ محاذ میں کوئی عہدہ قبول نہیں کرے گی۔ جب یہ صورتحال ہمارے رجال دین کی ہو تو پھر دو قومی نظریہ کی افادیت کیوں ختم نہ ہو۔